(گذشتہ سے پیوستہ)

محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم)

مخالفتوں کے طوفان سے گذرتے ہوئے

مدنی دور

نعیم صدیقی

مفسدانہ پروپگنڈے کا محاذ | جمود پسند فاسد عناصر جب کسی دعوتِ اصلاح و تعمیر سے دوچار ہوتے ہیں تو پھر ہمہ تن اس کے علم برداروں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ خود تو کچھ کرنا نہیں ہوتا اور خدا و خلق کی طرف سے کسی طرح کی ذمہ داریاں تسلیم نہیں ہوتیں، اس لیے ساری ذہانتیں اور قوتیں بآسانی منفی مصرف میں لگا دی جاتی ہیں۔ یہ عناصر غول بن کر داعیانِ اصلاح و تعمیر کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں، دور بینیں اور خوردبینیں لگ جاتی ہیں اور پیمانے اور مسطر سنبھال لیے جاتے ہیں۔ ہر آن بات بات کا تجزیہ ہوتا ہے۔ ایک ایک واقعہ کا گہرا جایزہ لیا جاتا ہے، ہر ہر معاملے کی چیر پھاڑ ہوتی ہے۔ کوئی ٹیڑھ ادھر سے نکالی جاتی ہے، کوئی کجی اُدھر سے تلاش کی جاتی ہے اور پھر ڈونڈی پیٹ پیٹ کر اعلان کیا جاتا ہے کہ لوگو! دیکھو یہ گمراہی ہے، یہ فساد ہے، یہ کفر ہے، یہ اسلاف دشمنی ہے، یہ بزرگوں کی توہین ہے، یہ اکابر پر تنقید ہے۔ چنانچہ اندھی مخالفت کے نشے میں بہک کر جب کسی بھلے آدمی اور اس کے مفید انسانیت کام کو نقصان پہونچانا مطلوب ہوتا ہے تو پھر ایک طرف ہر بھلی سے بھلی بات کے اندر سے کیڑے نکال کر دکھائے جاتے ہیں اور دوسری طرف اس کام کے کرنے والوں سے ذرا سا بھی سہو ہو جائے تو بات کا بتنگڑ بنا کر رائے عام کا طوفان اٹھا دیا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ زرّیں مواقع تخریبی عناصر کے لیے وہ ہوتے ہیں جب کوئی بات یا کوئی واقعہ عام لوگوں کے غلط توہمات اور معتقدات اور مسلّمہ رسمیات کے خلاف ہو جائے ـــــ خواہ وہ بجائے خود کتنا ہی برحق اور اقرب الی الصواب کیوں نہ ہو! یہ ظاہر ہے کہ اصلاحی، تعمیری اور انقلابی تحریکوں کو عوام کے بہت سارے مسلّمات کے بتوں کو توڑنا ہوتا ہے، اس لیے مخالفانہ پروپگنڈے کے لیے نت نئے موضوعات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہی صورت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو یہود کی طرف سے درپیش تھی۔ صبح شام ایک نہ ایک واویلا مچتا رہتا اور ایک نہ ایک اشتہار بازی ہوتی رہتی۔

ہوسِ منصب کا الزام | کسی علم بردارِ حق کے دامنِ خلوص پر نفسانیت کے دھبّے ڈالنے کے لیے مخالفین نے ہر دور میں ایک الزام یہ رکھا ہے کہ یہ شخص کچھ بننا چاہتا ہے، کوئی منصب حاصل کرنے کے درپے ہے، اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا ہے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے خلاف یہی پروپگنڈہ کیا گیا کہ یہ لوگ اپنی حکومت جمانا چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے خلاف غوغا کیا گیا کہ یہ صاحب تو یہودیوں کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر سرورِ عالم ؐ کے خلاف یہودیوں نے ایک پروپگنڈہ یہ بھی اٹھایا کہ یہ ساری جان ماریاں تو بس اس غرض سے ہیں کہ جو مقامِ عیسیٰ علیہ السلام کا چلا آرہا ہے وہ آپ ؐ کے قبضے میں آجائے اور عیسائیوں اور دوسرے لوگوں کو آہستہ آہستہ گھیر کر اپنی پرستش میں لگا لیا جائے۔ غور فرمایئے، حضور ؐ نے اس طرح کا کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا، ایسے منصب کی طلب کا اشارہ تک نہیں دیا تھا، لیکن مخالف طاقت نے خود ہی اپنے ذہن سے ایک طومار گھڑ لیا اور اپنی جگہ طے کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تو بس یہ کہ عیسیٰ بن کر پوجا کرائیں۔ دعویٰ نہ کیا ہو تو نہ سہی، دل میں اسی کے ارادے ہیں۔ ابھی یہ ارادے سامنے نہیں آئے تو کیا ہوا، آثار بتا رہے ہیں کہ کبھی نہ کبھی یہ سامنے آکر رہیں گے۔ وفدِ نجران کے ارکان کے کان ان فضولیات سے بھرے گئے ہوں گے، جبھی تو اس وفد کے ایک رکن ابو رافع قرظی نے یہ سوال حضور ؐ سے کھلم کھلا دریافت کیا کہ "کیا آپ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح پوجا کریں

جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں؟"۔ وفد کے ایک دوسرے رکن الرّبّیس (یا الریس یا الرئیس) نے بھی پوچھا کہ "اے محمدؐ! کیا آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں اور اسی کے لیے دعوت دیتے ہیں؟"۔ آپؐ نے جواب دیا: خدا کی پناہ، اس بات سے کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کروں یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کی دعوت دوں۔ پس مجھے خدا نے اس مقصد کے ساتھ نہیں اٹھایا ہے اور نہ مجھے اس کا حکم دیا ہے"۔ [1] قرآن بھی اس موقع پر پکار اٹھا کہ "کسی انسان کا یہ منصب نہیں ہے، کہ خدا اسے کتاب اور حکمت اور نبوت سے سرفراز کرے تو پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ"۔

مسلّمہ مذہبی شعائر کی بے حرمتی کا الزام

قائدِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر کے چلے آنے پر مکہ میں انتقامی جذبات نے نئی کروٹ لینی شروع کر دی تھی اور براہِ جنگی کارروائی کے لیے سوچا جا رہا تھا۔ ان کے جاسوس مدینہ کے اطراف میں گھومتے تھے، ان کا سلسلۂ نامہ و پیام خفیہ طور پر یہودِ مدینہ کے ساتھ شروع ہو چکا تھا اور ان کے فوجی دستے وقتاً فوقتاً اسلامی ریاست کے حدودِ اثر تک پہونچنے لگے تھے۔ اس کے جواب میں اسلامی ریاست نے بھی اپنا نظامِ دیدبانی برسرِعمل کر دیا۔ فوجی اور غیر فوجی پارٹیاں گشت کے لیے نکلتیں اور قریش کے جاسوسوں اور فوجی دستوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتی رہتیں۔ مدینہ اپنی اس نقل و حرکت سے قریش کو ایک طرف یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ ہم سوئے نہیں پڑے ہیں اور ساتھ ہی یہ اندیشہ دلانا بھی مقصود تھا کہ اگر تم نے امن کی فضا کو خراب کر دیا تو پھر تمہارے تجارتی قافلوں پر یہ شاہراہ بند ہو جائے گی۔

اسی نظامِ دیدبانی کے تحت رجب سنہ ۲ھ میں آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے آئندہ منصوبوں کا جائزہ لینے کے لیے قائدِ انسانیتؐ نے روانہ فرمایا۔ اس دستہ کو کسی جنگی کارروائی کا مجاز نہیں ٹھیرایا گیا تھا۔ لیکن ان کی مڈبھیڑ قریش کے ایک چھوٹے سے تجارتی قافلے سے ہوئی تو اس عالمِ تقابل میں باہمی ذہنی کھچاؤ ایسے نقطہ تک جا پہونچا کہ اسلامی ریاست کے دستے نے حملہ کر کے ایک

[1] سیرابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۰۲

آدمی کو قتل کر دیا، بقیہ کو گرفتار کر کے مال و اسباب سمیت مدینہ لے آئے۔ یہ واقعہ چونکہ رجب کے خاتمے اور شعبان کے آغاز کے دوران میں کسی وقت ہوا تھا اس لیے اشتباہ و التباس کے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک طرف مکہ کے مشرکین نے اور دوسری طرف مدینہ کے یہود و منافقین نے پروپگنڈہ کا طوفان کھڑا کر دیا۔ انہوں نے اس واقعہ کو قطعی طور پر شعبان سے متعلق کر کے عوام کو اشتعال دلانے میں پورے زور سے کام لیا۔ وہ کہتے پھرتے تھے کہ "یہ لوگ چلے ہیں بڑے اللہ والے بن کر اور حال یہ ہے کہ ماہِ حرام تک میں خوں ریزی سے نہیں چوکتے۔"[۵۱] اس پروپگنڈہ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہت ہی نقصان دہ تھا۔ یہ مختصر سی نوخیز طاقت جو چار طرف سے دشمنوں اور خطروں میں گھری تھی اور جس کے لیے کسی بھی فرد اور کسی بھی عنصر کی حمایت بڑی قیمتی تھی، اس کے بارے میں عرب میں اس تاثر کا پھیل جانا کہ وہ حرام مہینوں کا احترام ختم کیے دے رہی ہے درانحالیکہ اس حرمت پر ہی عرب کے دینی اور معاشی نظام کا دار و مدار تھا ــــــ اس کے حامیوں کو اس سے کاٹ کر اس کے مخالفوں میں دھکیل دینے والا تھا۔ پھر چونکہ اس معاملے کا تعلق عوام کے نازک مذہبی جذبات سے تھا، اس لیے یہ وجہ اشتعال بھی تھا۔ خصوصیت سے یہ پروپگنڈہ مسلمانوں کی خدا پرستی اور دینداری اور اخلاقی لحاظ سے ان کے ذمہ دارانہ پن پر ایک کاری ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔

نخلہ کا یہ ایک حادثہ ایک اور وجہ سے خود اسلامی ریاست کی نگاہ میں ناپسندیدہ قرار پایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستے کو کسی طرح کے تصادم کا اختیار نہیں دیا تھا۔ بغیر باضابطہ اختیار کے اس دستے نے ایک ایسا قدم اٹھا دیا جو اسلامی ریاست کے اُس پورے منصوبے کو متاثر کرنے والا تھا جو حفاظت اور دیدبانی کی غرض سے پیشِ نظر تھا اور جس کے مطابق بڑی احتیاط سے ہر کارروائی کی جا رہی تھی۔ اب چونکہ نخلہ کا حادثہ سرے سے ایک بے ضابطہ اور غیر قانونی کارروائی تھی، لہٰذا آں حضورؐ نے متعلقہ افراد سے سختی سے باز پرس کی اور ان کی تادیب کی اور گرفتار شدہ جنگی قیدیوں کو قبول کرنے اور ان کے اموال کو بیت المال میں لینے سے انکار کر دیا۔

---

[۵۱] تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۶۵

اسلامی ریاست نے اپنے نظم کے تحت اس بے ضابطہ کارروائی پر جو کارروائی مناسب تھی وہ تو اپنی جگہ کر دی، لیکن مخالفین نے مفسدانہ پروپگنڈے کا جو طوفان اٹھا دیا تھا اس کا مقابلہ زیادہ مضبوط اور مدلل اور اخلاقی اثر رکھنے والے صاف ستھرے پروپگنڈے سے کیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کا جواب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان الفاظ میں دلوایا کہ:-

"لوگ پوچھتے ہیں کہ ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے! اے پیغمبر کہیے کہ اس میں لڑنا بہت بُرا ہے، مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بُرا ہے! ـــــ اور فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے!" (البقرہ ـــ ۲۱۷)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کے مخالفین کے اس طوفانی پروپگنڈے سے جو اسلامی جماعت کے ارکان متاثر ہوئے اور پریشانی میں مبتلا ہو کر انہوں نے سوالات کیے کہ ماہِ حرام میں جنگی کارروائی کرنا اسلامی نظریہ و قانون کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ جن لوگوں پر نیکی اور صلح پسندی کا ایک غیر متوازن تصور زیادہ پر تو افگن تھا اور جو ذرا ذرا سی مخالفت سے گھبرا اٹھتے تھے، ان کو خاص طور پر تشویش ہونے لگی تھی کہ کہیں ہم روح دین اور جوہرِ تقویٰ کو ہاتھ سے دیتے تو نہیں جا رہے اور کہیں ہم سیاست زدہ ذہن کے تحت اپنے اصل مقصد سے دور جا کر عام لوگوں کو خود ہی تو دور نہیں دھکیلتے جا رہے۔ سو اس طرح کے افراد کی پریشانی غیر معمولی نوعیت رکھتی تھی۔ ان کا دلی اطمینان متزلزل ہو چلا تھا۔ لہٰذا وہ خصوصیت سے اس معاملے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ سوالات کے پیچھے یہ ذہن خاص طور پر متحرک تھا۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے دشمنانِ تحریک کو بھرپور جواب دیا گیا۔ فرمایا کہ مشرکینِ مکہ جو خود تو راہِ خدا سے روکنے اور اللہ سے کفر کرنے اور زائرینِ حرم کا راستہ روکنے اور باشندگانِ حرم کو حدودِ حرم سے تنگ کر کر کے نکالنے کے مجرم ہیں، اب وہ ماہِ حرام کی حرمت کے محافظ بن کر کس منہ سے میدان میں آ رہے ہیں۔ اس میں یہود اور منافقین کے لیے یہ خطاب مضمر تھا کہ تم جو اہل مکہ کے ان سارے مظالم اور دینی شعائر کی حرمتوں کو توڑ دینے والی کارروائیوں پر منہ میں گھنگنیاں ڈالے پڑے رہے ہو

اور آج بھی تم کو اس بارے میں کچھ احساس نہیں ہے ، واقعہ نخلہ کے سلسلے میں مسلمانوں کی ایک ایسی اتفاقی کارروائی پر کا ہے کو نگہدارِ شعائر بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہو جس کے لیے نظامِ ریاست کی طرف سے باقاعدہ اجازت نہیں دی گئی بلکہ چند افراد کی نادانی سے ایک اقدام ہوگیا ، چنانچہ اس کے نتائج کو قبول کرنے سے ریاست کے سربراہ نے انکار کر دیا اور متعلقہ افراد کو سخت تادیب بھی کر دی۔

اس واقعہ کے تاریخی آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اہلِ حق کے دشمن کس طرح گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں کہ کہیں سے ان کو کوئی رخنہ ملے اور وہ اس سے حملہ کر دیں اور کہیں کوئی سہو اور بے احتیاطی کام کرنے والوں سے سرزد ہو اور وہ فوراً اس کو دنیا بھر میں اپنی حاشیہ آرائیوں کے ساتھ اُچھال دیں۔

جہاں ہر ہر لمحہ ہر ہر معاملے میں اس طرح غلط فہمیوں اور بدگمانیوں اور اشتعال انگیزیوں کے طوفان اٹھائے جاتے ہوں گے ، وہاں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دشمنوں میں گھری ہوئی ننھی سی ریاست اور اس کو وجود میں لانے والی انقلابی تحریک اور اس تحریکِ فلاحِ انسانیت کے قائم پر کیا گذرتی ہوگی۔ شکوک و شبہات ، شرپسندانہ اعتراضات اور کارکنوں کو ذہنی طور پر الجھا دینے والے سوالات فضا میں بھنگوں کی طرح اڑتے پھرتے ہوں گے اور زمین پر برسات کے کیڑوں کی طرح ہر طرف رینگتے دکھائی دیتے ہوں گے۔ لیکن بھنگوں اور کیڑوں کی نقل و حرکت نے کبھی کسی اصول و کردار رکھنے والی طاقت کے فاتحانہ اقدام کو روکنے میں کامیابی نہیں حاصل کی۔

دین کے پردے میں نفسانیت کا الزام ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اسلام کی نافذ کردہ اصلاحات میں سے ایک ایک پر یہودی مولویوں اور مفتیوں نے نامعقول قسم کے ہنگامے بپا کیے تھے۔ بہت بڑی اصلاح منہ بولے بیٹوں کے مقام اور حقوق کے سلسلے میں نافذ کی گئی۔ چنانچہ اس پر مخالفانہ پروپگنڈے کا ہنگامہ بھی زور شور کے ساتھ اٹھایا گیا۔

ایک اہم تاریخی روایت سابق مذہبی و معاشرتی تصورات کے مطابق یہ چلی آ رہی تھی کہ متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کی مطلقہ سے حقیقی بہو کی طرح نکاح کرنا ناجائز ہے۔ اس روایت کو ختم کرنے کے لیے مشیت الٰہی نے

واقعات کو بڑی عجیب و غریب صورت سے نشو و نما دی اور پھر ایک انقلابی نتیجے تک پہونچایا۔ ہوا یہ کہ زیدؓ جو دس برس کی عمر میں غلام بن کر بکے تھے اور جن کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر اپنے سایۂ شفقت میں لے لیا تھا، وہ حضورؐ کے گھر میں متبنّٰی کی حیثیت رکھتے تھے۔ بعد میں زید کے باپ اور بھائی ان کو لینے آئے اور حضورؐ نے اذن بھی دیا کہ چاہو تو جا سکتے ہو لیکن زید کو آپؐ سے اب اتنی گہری محبت ہو چکی تھی کہ اس رشتے کا ٹوٹنا گوارا نہ ہوا۔ زید چونکہ اصلاً اشرافِ عرب میں سے تھے، اس لیے مکہ کے کچھ بزرگوں نے جناب زینبؓ (حضورؐ کی پھوپھی زاد تھیں) کو ان کے نکاح میں دینا تجویز کیا لیکن زینب کے بھائی اس پر راضی نہ ہوئے، کیونکہ نکاح کے لیے جو معیار اور پیمانے اس ماحول میں رائج تھے ان پر یہ جوڑ پورا نہیں اترتا تھا۔ جاہلی ذہن کی نگاہ میں حضرت زیدؓ کے دامنِ حیات پر گویا غلامی کے دھبے کا اثر بھی باقی تھا اور پھر ان کی بے سروسامانی بجائے خود ایک نقص تھی۔ اسلام آیا تو اس نے اس ذہن کو بھی بدلنا ضروری سمجھا اور محسنِ انسانیت نے خاندانی امتیازات کی روکیں نکاح و ازدواج کے راستے سے ہٹا کر پورے اسلامی معاشرے کو ایک خاندان میں بدل دینے کی کوشش فرمائی۔ چنانچہ فی الواقع یہ دیواریں قطعی طور پر ڈھے گئیں اور "کفو" کا ایک نیا مفہوم پیدا ہو گیا۔ آپؐ نے بڑی تاکید سے لوگوں کا ذوقِ نگاہ بدلا اور ان کو سکھایا کہ عورتوں کو نکاح میں لینے کے لیے مرتبۂ اول پر ان کے دین اور ان کے کردار کو دیکھو، باقی چیزوں کا لحاظ بعد میں ہے۔ ایک موقع پر تو یہ بھی فرمایا کہ اگر دین و کردار کے بجائے کوئی دوسرا معیار اختیار کرو گے تو معاشرت میں بڑا فساد واقع ہو جائے گا۔ اس طرح "کفو" کا نیا تصور یہ بنا کہ ازدواجی جوڑا اس لحاظ سے بننا چاہیے کہ اصل مقصدِ زندگی میں کون بہترین ساتھی بن سکتا ہے اور کس کے ساتھ ذہنی اور ذوقی سازگاری زیادہ سے زیادہ ممکن ہے۔ اور بے شمار بلکہ اکثر شادیاں اسی نئے رجحان کے مطابق عملاً ہونے لگیں۔ اس ذہنی و معاشرتی تبدیلی کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے زمانۂ کفر میں حضرت ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا، درآں حالیکہ موصوفہ اسلام لا چکی تھیں۔ انہوں نے جواب میں کہلایا کہ تم ٹھیرے کافر اور میں ہوں کہ اسلام لا چکی ہوں، اب دو متضاد زندگیاں کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ ہاں اگر اسلام قبول کر لو تو میں تم سے بجز قبولِ اسلام کے اور کوئی مہر بھی نہ لوں گی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رشتہ خود ام سلیمؓ کو بھی مرغوب تھا، لیکن اسلام نے ایسا انقلابی رجحان پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر انکار کر دیا مگر ساتھ ہی ترغیب اسلام بھی دلا دی۔ آخر ابو طلحہؓ اسلام لے آئے۔ نکاح ہوا اور فی الواقع ان کا اسلام ہی مہر قرار پایا۔ (موطائے امام مالک[1]) غرضکہ معاملہ ازدواج میں ذوق اور معیار کی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ پھر بھی کچھ رکاوٹیں باقی تھیں۔ انہی کے سبب حضرت زینبؓ کے بھائی مجوزہ نکاح پر تیار نہ ہوئے۔ حضورؐ بھی چاہتے تھے کہ یہ نکاح ہو۔ لیکن جب اس میں مجرد ایک جاہلی رجحان رکاوٹ بنا تو یہ چیز خدا و رسول کی نگاہ میں ناپسندیدہ قرار پائی۔ اس سلسلے میں اشارۃً سورہ احزاب میں گرفت کی گئی۔ ملاحظہ ہو آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ .... اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (آیت ۳۵)

اس آیت کی اصل سپرٹ یہ ہے کہ اسلامی نظریہ اور اسلامی ذہن اور اسلامی کیریکٹر رکھنے والے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہم سر اور ہم دوش ہیں اور ان میں قرابت و مودت ہے، یہ ایک دوسرے کے لیے قابل قدر ہیں، بجائے کہ ان کے بیچ میں خاندانی امتیازات اور فضل و شرف کے جاہلی تصورات آ کے حائل ہوں۔ مگر اشارہ بس اتنا ہی نہیں تھا۔ اگلی آیت بڑی سخت تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کو کسی شکل میں طے کر دیں تو پھر کسی ایماندار مرد اور کسی ایمان دار عورت کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ پھر اس فیصلے کے مقابلے میں اپنی پسند و ناپسند اور اپنے معیارات کو کوئی اہمیت دیں۔ اس طرح سے جو لوگ خدا و رسول کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ بہت دور تک بھٹک گئے۔ (احزاب ۔ ۳۶) مطلب یہ تھا کہ جب ایک مسلم اور مسلمہ کے درمیان رشتۂ ازدواج کے قیام کے لیے دروازے کھول دیے گئے ہیں تو اب اپنے راستے میں پرانے جاہلی تصورات کو اہمیت دے دے کر حائل کرنا خدا اور رسول کی رہ نمائی اور ان کے فیصلوں کے مقابلے میں ایک طرح کی خود سری ہے اور ایسی خود سری گمراہی پر منتج ہوتی ہے۔ چوٹ بڑی سخت تھی اور ٹھیک نشانے پر لگی۔ زینبؓ کے بھائی ان آیات کو سن کر اشاروں میں بات پا گئے اور نکاح کے لیے تیار ہو گئے۔ گویا شرف و ذلت کے جاہلی معیار کی ایک زنجیر ٹوٹ گئی۔

---

[1] ملاحظہ ہو اسوۂ صحابیات از مولانا عبد السلام ندوی ص۳۷